Allama Iqbal Open University AIOU BS Islamic Studies solved assignments no 1 Autumn 2025 Code 1912 Islamic & Western Civilization and thought in Historic Perspective

سوال نمبر *1* - شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق قبل از اسلام ایران و روم کے تمدنی نظام کی کیا خصوصیات اور خامیاں تھیں؟ تکلفاتِ زندگی اور تعیش پرستی نے معاشرتی زندگی کو کس طرح متاثر کیا؟

تمہید

شاہ ولی اللہ دہلویؒ *(1703ء–1762ء)* برصغیر کے وہ عظیم مفکر، مصلح، اور مجدد ہیں جنہوں نے نہ صرف اسلامی فکر کی تجدید کی بلکہ انسانی تہذیب و تمدن کے تاریخی اور اخلاقی پہلوؤں پر گہری بصیرت پیش کی۔ ان

کی تصانیف خصوصاً ***"حجۃ اللہ البالغہ"*** میں وہ مختلف اقوام کے تمدنی، اخلاقی، اور معاشرتی نظاموں کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ کس طرح انسان نے خدا سے دوری اور دنیا پرستی اختیار کر کے اپنے معاشرتی توازن کو برباد کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک قبل از اسلام **ایران** اور **روم** دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں، مگر ان کے تمدنی نظام میں ایسی خامیاں پیدا ہو چکی تھیں جنہوں نے اخلاقی زوال، طبقاتی فرق، تعیش پرستی، اور ظلم و استبداد کو عام کر دیا تھا۔ ان معاشروں کی ظاہری ترقی کے باوجود ان کی روحانی و اخلاقی بنیادیں کمزور ہو چکی تھیں، اور یہی زوال اسلام کے عروج کا پیش خیمہ بنا۔

---

1. قبل از اسلام ایران و روم کا تاریخی پس منظر

اسلام کے ظہور سے قبل دنیا دو بڑی سیاسی و تہذیبی قوتوں میں تقسیم تھی:

1. ***ایران (فارس)*** — جہاں **ساسانی سلطنت** قائم تھی۔

2. روم **(بازنطینی سلطنت)** — جو عیسائی مذہب کی حامل تھی اور یورپ و مشرق وسطیٰ پر حکومت کر رہی تھی۔

یہ دونوں سلطنتیں بظاہر خوشحال اور طاقتور تھیں، لیکن شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ان کے اندرونی نظام **اخلاقی انحطاط، تعیش پسندی، اور روحانی خلا** کا شکار ہو چکے تھے۔

---

2. ایران کے تمدنی نظام کی خصوصیات اور خامیاں

(الف) خصوصیات

1. **مرکزی حکومت اور مضبوط نظم و نسق:**

ساسانی بادشاہت ایک منظم سلطنت تھی۔ بادشاہ کو "شاہنشاہ" (بادشاہوں کا بادشاہ) کہا جاتا تھا۔ عدلیہ، فوج، اور مالیات کے واضح ادارے موجود تھے۔

2. زرتشتی مذہب (مجوسیت):

ایرانی مذہب "زرتشتیت" پر مبنی تھا جس میں نیکی اور بدی کی دو قوتوں (اہورامزدا اور اہریمن) کے درمیان جدوجہد کا عقیدہ تھا۔

3. علم و فلسفہ کی قدر:

ایران میں علمِ فلکیات، طب، اور فلسفہ کو اہمیت دی جاتی تھی، اور یونانی علوم کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔

4. تمدنی ترقی:

تعمیرات، لباس، خوراک، اور دربار کی شان و شوکت ایران کی تمدنی عظمت کی علامت تھی۔

(ب) خامیاں

1. طبقاتی تقسیم:

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق ایرانی معاشرہ سخت طبقاتی نظام کا شکار تھا۔

- ○ اشرافیہ (امراء و درباری طبقہ)
- ○ مذہبی پیشوا (مغ یا آتش پرست پجاری)
- ○ سپاہی اور کاریگر
- ○ غلام اور کسان

ان طبقات کے درمیان سخت تفریق نے معاشرتی ناانصافی کو جنم دیا۔

2. بادشاہ پر الوہیت کا عقیدہ:

ایرانی بادشاہ کو خدائی صفات کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حکم کو

مطلق مانا جاتا اور اس کی اطاعت کو مذہبی فریضہ سمجھا جاتا۔

3. **اخلاقی زوال اور تعیش پسندی:**

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ ایرانی معاشرہ **شہوت**، **شراب نوشی**، **موسیقی**، **اور رقص و سرور** میں غرق ہو چکا تھا۔ درباروں میں عیش و عشرت عام تھی اور غریب طبقہ محروم۔

4. **ظلم اور جبر:**

جاگیرداری نظام میں زمیندار کسانوں کو غلاموں کی طرح استعمال کرتے۔ محنت کش طبقے کے ساتھ ظلم کیا جاتا اور انصاف صرف امراء کے لیے مخصوص تھا۔

5. **روحانیت کا فقدان:**

مذہبی طبقہ محض رسومات تک محدود ہو چکا تھا۔ عبادت کی روح ختم اور مذہب کاروبار بن گیا تھا۔

3. روم کے تمدنی نظام کی خصوصیات اور خامیاں

(الف) خصوصیات

1. قانون اور نظم:

رومی سلطنت قانون کی بنیاد پر قائم تھی۔ ان کے قوانین نے دنیا کے عدالتی نظاموں پر گہرا اثر ڈالا۔

2. تہذیب و فنون:

روم میں فن تعمیر، مصوری، مجسمہ سازی، اور شہری منصوبہ بندی بہت ترقی یافتہ تھی۔

3. عیسائیت کا فروغ:

بازنطینی دور میں عیسائیت سرکاری مذہب بن چکی تھی جس نے اخلاقی قدروں کو کسی حد تک بحال کرنے کی کوشش کی۔

4. تعلیم و علم:

فلسفہ، ریاضی، اور طب میں رومی علماء نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

(ب) خامیاں

1. افراطِ زر اور تعیش پرستی:

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک روم میں **زندگی کا مقصد عیش و عشرت** بن چکا تھا۔ محلات، رقص و موسیقی، شراب نوشی، اور کھیل تماشے زندگی کا لازمی جزو تھے۔

2. سیاسی کرپشن:

بادشاہ اور حکمران طبقہ طاقت کے نشے میں اندھا تھا۔ دولت اور اقتدار کے لیے خونریز سازشیں ہوتی رہتیں۔

3. عیسائیت کی بگاڑ:

عیسائیت اپنے اصل اخلاقی پیغام سے ہٹ چکی تھی۔ مذہبی پیشوا دنیاوی

مفادات کے اسیر بن گئے تھے۔

4. اخلاقی پستی:

جنسی بے راہ روی، غلامی، اور عورتوں کی تذلیل عام تھی۔

5. طبقاتی ناانصافی:

امیر اور غریب کے درمیان خلیج وسیع ہو چکی تھی۔ امراء کی دولت بڑھتی گئی جبکہ عوام فقر و افلاس میں مبتلا رہے۔

---

4. شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں ان تمدنوں کی بنیادی خرابی

شاہ ولی اللہؒ نے ان دونوں تہذیبوں کے زوال کی بنیادی وجہ **روحانی انحطاط** قرار دی۔

ان کے مطابق:

> “جب انسان خدا سے غافل ہو جائے، دنیا کی محبت دلوں پر غالب آ جائے، اور خواہشات کی پیروی ہو، تو تمدن بظاہر ترقی یافتہ نظر آتا ہے مگر دراصل اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔”

یہی حال ایران و روم کا تھا — ظاہری شان و شوکت کے باوجود اندرونی طور پر ان کے اخلاقی و روحانی ڈھانچے تباہ ہو چکے تھے۔

---

5. تکلفاتِ زندگی اور تعیش پرستی کے اثرات

(الف) اخلاقی زوال

تعیش پرستی نے انسانی کردار کو کمزور کیا۔ لوگ فرض شناسی اور دیانت سے دور ہو گئے۔ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق جب انسان کے لیے **عیش و عشرت** ہی مقصد بن جائے تو **عدل**، **تقویٰ**، **اور امانت** جیسی صفات ختم ہو جاتی ہیں۔

(ب) طبقاتی کشمکش

جب دولت چند ہاتھوں میں محدود ہو جاتی ہے تو معاشرہ تقسیم ہو جاتا ہے۔ امراء مزید دولت اور تعیش میں ڈوب جاتے ہیں، اور غریب غربت و ذلت میں

گرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی حالت روم و ایران میں پیدا ہوئی جس نے **معاشرتی ناہمواری** کو جنم دیا۔

(ج) روحانی و مذہبی انحطاط

تعیش پسندی نے مذہبی احساس کو کمزور کر دیا۔ عبادت، زہد، اور خدا خوفی ناپید ہو گئی۔ مذہب محض ایک رسمی روایت بن کر رہ گیا۔

(د) سیاسی زوال

جب حکمران طبقہ عیش و آرام میں مست ہو جائے تو حکومت کمزور ہو جاتی ہے۔ فوج، نظم و نسق، اور انصاف سب بگڑ جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق یہی حالت روم و ایران کی تھی کہ جب اسلام آیا تو یہ دونوں سلطنتیں **سیاسی اور اخلاقی طور پر بوسیدہ** ہو چکی تھیں۔

(ہ) علمی جمود

تعیش پرستی نے علم و فکر کی روح ختم کر دی۔ علم کو مقصدِ زندگی کی بجائے **عیش و مقام کے حصول کا ذریعہ** بنا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں فکری انحطاط پیدا ہوا۔

(و) خاندانی نظام کی تباہی

عیش پرستی نے خاندانی رشتوں کو کمزور کر دیا۔ نکاح کی بجائے بدکاری، زنا، اور آزاد تعلقات عام ہو گئے۔ عورتوں کو صرف زیب و زینت کی علامت سمجھا جانے لگا۔

---

6. اسلام کا ظہور اور ان تمدنوں کا زوال

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ دنیا کی بڑی سلطنتیں اخلاقی و روحانی طور پر برباد ہو چکی ہیں تو **اسلام کے ذریعے ایک نیا اخلاقی، روحانی، اور عدل و انصاف پر مبنی تمدن** قائم کیا۔

اسلام نے:

- طبقاتی نظام ختم کیا: "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

- عیش و عشرت کی بجائے قناعت، اخلاص، اور عبادت کو ترجیح دی۔

- بادشاہت کی الوہیت کو ختم کر کے **توحید** کی بنیاد پر برابری قائم کی۔

- عدل، علم، اور تقویٰ کو معاشرتی اصول بنایا۔

یوں اسلام نے ایران و روم کی بگڑی ہوئی تمدنی بنیادوں کی اصلاح کر کے **انسانی معاشرے کو روحانی توازن** عطا کیا۔

---

7. شاہ ولی اللہؒ کی فکر کا تجزیہ

شاہ ولی اللہؒ کا تجزیہ نہ صرف تاریخی ہے بلکہ **فلسفیانہ اور اخلاقی** پہلو بھی رکھتا ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ انسانی تمدن کی بقا صرف **مادی ترقی** سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے **اخلاقی اعتدال اور روحانی وابستگی** ضروری ہے۔

ایران و روم نے جب خدا کی اطاعت چھوڑ کر **نفس پرستی** اختیار کی تو ان کا انجام زوال ہوا۔ ان کے نزدیک ہر تمدن کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب:

1. دین سے دوری پیدا ہو۔

2. تکلفاتِ زندگی بڑھ جائیں۔

3. عیش و عشرت مقصد بن جائے۔

4. عدل و انصاف کا خاتمہ ہو۔

اسلام کی آمد نے ان تمام خرابیوں کا علاج پیش کیا۔

---

8. نتیجہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک قبل از اسلام ایران و روم کی تہذیبیں **ظاہری شان و شوکت کے باوجود اندر سے کھوکھلی** تھیں۔

ان میں علم، فن، اور دولت کی کثرت تو تھی مگر **روحانیت**، **اخلاق**، **عدل**، **اور مساوات** کا فقدان تھا۔

تعیش پسندی نے ان کے اخلاق کو تباہ کر دیا، طبقاتی فرق نے معاشرتی توازن بگاڑ دیا، اور مذہب رسمی رہ گیا۔

اسلام نے ان بگڑی ہوئی قدروں کو درست کر کے ایک نیا **الٰہی تمدن** قائم کیا جو عدل، مساوات، قناعت، اور تقویٰ پر مبنی تھا۔

یوں شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اسلام دراصل انسانیت کے لیے **تجدیدِ روحانی و اخلاقی انقلاب** تھا جو ان زوال پذیر تہذیبوں کے مقابلے میں انسان کو حقیقی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔

سوال نمبر *2:* اسلامی معاشرے میں ذمہ داری کے احساس کی خصوصیات کیا تھیں اور ہر فرد کو کس دائرہ میں بااختیار بنایا گیا تھا؟

تمہید

اسلامی معاشرہ دنیا کے تمام معاشروں میں ایک منفرد اور اعلیٰ نمونہ رکھتا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد **عدل، مساوات، تقویٰ، اور احساسِ ذمہ داری** پر قائم ہے۔ اسلام نے فرد، خاندان، حکومت، اور امت کے ہر طبقے کو ایک مخصوص دائرے میں **حقوق اور فرائض** عطا کیے ہیں۔ یہ ذمہ داریاں نہ صرف دینی و اخلاقی اصولوں کے مطابق ہیں بلکہ ان میں **دنیاوی نظم و نسق** اور **اخروی کامیابی** دونوں شامل ہیں۔

احساسِ ذمہ داری اسلامی معاشرے کی روح ہے۔ یہ احساس فرد کو خود غرضی سے نکال کر اجتماعی بھلائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی

حدود میں جواب دہ ہے — چاہے وہ حکمران ہو یا رعیت، مرد ہو یا عورت، عالم ہو یا عامی — سب اپنے اپنے دائرے میں **اللہ کے سامنے جواب دہ** ہیں۔

---

1. اسلامی معاشرے میں ذمہ داری کا تصور

اسلام میں ذمہ داری *(Responsibility)* کو **امانت** اور **جوابدہی** کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

> **"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ"**
>
> (سورہ الاحزاب: *72*)
>
> "ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا، سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔"

یہ امانت دراصل **احساسِ ذمہ داری** ہے جو انسان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ اسلامی معاشرہ اسی امانت کے اصول پر قائم ہوتا ہے، جہاں ہر فرد اپنی حد میں **عدل، دیانت، اور تقویٰ** کے ساتھ عمل کرنے کا پابند ہے۔

---

2. احساسِ ذمہ داری کی خصوصیات

(الف) تقویٰ پر مبنی احساسِ ذمہ داری

اسلام میں ذمہ داری کا سب سے پہلا اصول **تقویٰ** ہے — یعنی اللہ کا خوف، جواب دہی کا احساس، اور باطنی خود احتسابی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> **"وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"**
>
> *(سورہ الحجرات: 18)*
>
> "اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

تقویٰ انسان کو ذاتی مفاد سے بلند کر کے **اللہ کی رضا** کو مقصد بناتا ہے۔ اس طرح ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کو محض دنیاوی قانون نہیں بلکہ **الٰہی حکم** سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

(ب) عدل اور مساوات پر مبنی ذمہ داری

اسلامی معاشرے میں عدل بنیادی قدر ہے۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق عدل کرنے کا پابند ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ"

(سورہ النحل: 90)

اسلام نے یہ اصول دیا کہ کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کرے گا۔ یہی عدل کا احساس معاشرتی ذمہ داری کو مضبوط کرتا ہے۔

(ج) اجتماعی ذمہ داری

اسلامی معاشرہ فردی نہیں بلکہ **اجتماعی نظام** ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ"

(بخاری و مسلم)

> ”تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

اس حدیث میں پورے معاشرے کے افراد کے لیے ذمہ داری کا تصور واضح کیا گیا ہے:

- حکمران اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔

- مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔

- عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے۔

- خادم اپنے مالک کی امانت کا محافظ ہے۔

یوں ہر طبقہ اپنے دائرے میں جواب دہ ہے۔

(د) خود احتسابی اور نیت کی خلوص

اسلام میں ذمہ داری صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ **نیت اور اخلاص** سے جڑی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"

(بخاری)

"اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔"

یعنی اگر کسی فرد کی نیت درست ہے تو اس کا عمل بھی قبول ہے۔ یہ اصول ذمہ داری کو اندرونی طور پر مضبوط بناتا ہے۔

(ہ) امانت داری اور دیانت

اسلامی نظام میں امانت کا تصور بنیادی ہے۔

قرآن میں فرمایا گیا:

”اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا“

(سورہ النساء: 58)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ معاشرے کے ہر شعبے — حکومت، عدالت، تجارت، تعلیم — میں امانت داری لازم ہے۔ امانت کا مطلب ہے کہ ہر فرد اپنی ذمہ داری پوری دیانت سے ادا کرے۔

3. اسلامی معاشرے میں ذمہ داری کے مختلف دائرے

اسلام نے ہر فرد کو اس کے مقام، حیثیت، اور کردار کے مطابق **اختیارات اور ذمہ داریاں** عطا کی ہیں۔ یہ نظام نہ تو آمرانہ ہے اور نہ ہی انارکی پر مبنی، بلکہ **عدل اور نظم** کے درمیان توازن رکھتا ہے۔

(الف) حکمران اور ریاست کا دائرہ اختیار

اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ **عدل، تحفظ، تعلیم، اور فلاحِ عامہ** کو یقینی بنانا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ"

(سوره الحج: *41*)

یعنی حکمرانوں کا فرض ہے کہ وه نظامِ عدل و خیر کو قائم کریں۔

حکمران کو اختیارات ضرور حاصل ہیں مگر وه **اللہ اور عوام** دونوں کے سامنے جواب ده ہے۔

(ب) عوام اور شہریوں کی ذمہ داری

اسلامی معاشرے میں عوام کا کردار صرف اطاعت تک محدود نہیں بلکہ وه **اصلاحِ معاشره** میں شریک ہیں۔

قرآن میں فرمایا گیا:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

(سوره آل عمران: *104*)

یہ آیت "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے اصول کو واضح کرتی ہے۔ یعنی ہر شہری پر لازم ہے کہ وہ بھلائی کو فروغ دے اور برائی کو روکے۔

(ج) خاندان کا دائرہ اختیار

اسلامی معاشرے کی بنیاد **خاندان** پر ہے۔ مرد کو خاندان کا نگران بنایا گیا ہے:

> **"الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ"**
>
> *(سورہ النساء: 34)*

لیکن یہ قوامیت جبر یا برتری نہیں بلکہ **ذمہ داری** ہے۔ مرد پر لازم ہے کہ وہ بیوی، بچوں، اور والدین کے حقوق ادا کرے، ان کے اخراجات، تعلیم، اور تربیت کا اہتمام کرے۔

اسی طرح عورت بھی اپنے دائرے میں جواب دہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

> **"والمرأة راعية على بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها"**
>
> "اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

(د) علمائے کرام اور رہنماؤں کی ذمہ داری

اسلامی معاشرے میں علما اور رہنما رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ"

(سورہ آل عمران: 187)

علم رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق کو واضح کریں اور لوگوں کو گمراہی سے بچائیں۔

(ہ) معاشی ذمہ داری

اسلام میں مالدار طبقہ بھی اپنے مال میں **زکوٰۃ اور صدقات** کے ذریعے معاشرے کی فلاح کا ذمہ دار ہے۔

قرآن میں فرمایا گیا:

"وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"

(سورہ الذاریات: 19)

یوں اسلامی نظام میں ہر فرد اپنی معاشی حیثیت کے مطابق **سماجی انصاف** کے قیام میں حصہ لیتا ہے۔

---

4. احساسِ ذمہ داری کے اثرات اسلامی معاشرے پر

(الف) عدل و انصاف کا قیام

جب ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری دیانت سے ادا کرتا ہے تو ظلم و ناانصافی ختم ہو جاتی ہے۔

(ب) اتحاد و اتفاق

احساسِ ذمہ داری اجتماعی وحدت کو جنم دیتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا:

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا"

(سورہ آل عمران: 103)

(ج) امن و سکون کا قیام

ذمہ داری کا احساس فرد کو بددیانتی اور فساد سے روکتا ہے۔

(د) ترقی و خوشحالی

جب ہر فرد اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے تو نظام خود بخود مستحکم ہو جاتا ہے، اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔

---

5. اسلامی معاشرے میں جواب دہی کا اصول

اسلامی ریاست میں **احتساب** ایک بنیادی عنصر ہے۔

خلیفہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:

> "اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر سے اس کا حساب لیا جائے گا۔"

یہ جملہ اسلامی قیادت کے احساسِ ذمہ داری کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ اس اصول کے تحت کوئی شخص اپنی ذمہ داری سے آزاد نہیں، چاہے وہ عام شہری ہو یا سربراہِ مملکت۔

---

6. جدید تناظر میں اس تصور کی اہمیت

آج کے دور میں اسلامی احساسِ ذمہ داری کی روح کمزور ہو چکی ہے۔ اگر موجودہ مسلم معاشرے پھر سے تقویٰ، عدل، اور امانت کے اصولوں کو اپنائیں تو:

- بدعنوانی ختم ہو جائے گی۔
- سماجی انصاف قائم ہو گا۔
- عوام کا اعتماد بحال ہو گا۔
- امتِ مسلمہ دوبارہ قیادت کے قابل بنے گی۔

نتیجہ

اسلامی معاشرہ ایک ایسا مربوط نظام ہے جہاں **احساسِ ذمہ داری** ہر فرد میں رچ بس جاتا ہے۔ اس معاشرے میں بادشاہ سے لے کر عام شہری تک ہر شخص اپنی حدود میں بااختیار ہے مگر **اللہ کے سامنے جواب دہ** بھی۔

اسلام نے ہر طبقے کو اس کی صلاحیت کے مطابق **اختیارات** دیے ہیں، مگر ان کے ساتھ **جوابدہی** کو لازم قرار دیا ہے۔ یہی توازن اسلامی معاشرے کی اصل قوت ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظامِ حیات دراصل **ذمہ داری**، **امانت**، **اور عدل** پر قائم ایک ایسا کامل معاشرہ ہے جو دنیا میں امن، عدل، اور خوشحالی کی ضمانت دیتا ہے۔

سوال نمبر 3: عالمِ اسلام کے ذہنی و علمی انحطاط کی ابتدائی وجوہات کیا تھیں، اور اس انحطاط کا آغاز کب سے ہوا؟

تمہید

عالمِ اسلام کی تاریخ میں ایک دور ایسا بھی گزرا جب مسلمان **دنیا کی علمی، فکری، سائنسی اور تہذیبی قیادت** کے حامل تھے۔ بغداد، دمشق، قرطبہ، نیشاپور، اور قاہرہ جیسے شہر علم و دانش کے گہوارے تھے۔ مسلمان فلسفہ، طب، ریاضی، فلکیات، جغرافیہ، کیمیا، ادب، اور فقہ کے میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس **علمی و فکری برتری** میں زوال پیدا ہوا۔ یہ زوال محض سیاسی نہیں بلکہ ذہنی، اخلاقی، علمی، اور معاشرتی بنیادوں پر بھی تھا۔

علمی و فکری انحطاط کا آغاز رفتہ رفتہ ہوا، اور اس کے نتیجے میں وہ امت جو کبھی **"اقرأ"** کے پیغام کی امین تھی، **جمود**، **تقلید**، **اور زوال** کا شکار ہو گئی۔

---

1. علمی و فکری عروج کا پس منظر

انحطاط کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے کے عروج کو مختصراً سمجھا جائے۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار — خاص طور پر خلافتِ راشدہ، بنو امیہ، اور بنو عباس کے آغاز — میں علم و فکر کو بہت اہمیت دی گئی۔

- قرآن و سنت کی تعلیمات نے علم کو عبادت کا درجہ دیا۔

- عباسی دور میں **"دارالحکمہ"** جیسے ادارے قائم ہوئے۔

- یونانی علوم کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

- مسلمان سائنسدانوں جیسے **ابن الہیثم، رازی، ابن سینا، فارابی، البیرونی، الخوارزمی، ابن رشد** وغیرہ نے دنیا کو نئی فکری سمت دی۔

یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں نے علم کو دینی و دنیاوی تفریق سے آزاد کر کے انسانی ترقی کا ذریعہ بنایا۔

---

2. انحطاط کا آغاز کب سے ہوا؟

مسلمانوں کے علمی و فکری زوال کا آغاز **پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی)** سے محسوس ہونا شروع ہوا، یعنی تقریباً ***1050* عیسوی** کے بعد۔

یہ وہ وقت تھا جب:

- **بنو عباس کی سیاسی طاقت** کمزور ہونے لگی۔

- مختلف مسلم سلطنتیں **ٹکڑوں میں بٹنے لگیں۔**

- **فلسفیانہ اختلافات اور مذہبی مناظرے** علمی ترقی کی جگہ لے گئے۔

- **غزنوی، سلجوقی، فاطمی، اندلسی، اور عباسی خلافتیں** ایک دوسرے سے برسرپیکار ہو گئیں۔

بعد ازاں *1258*ء میں **بغداد پر ہلاکو خان کی یلغار** نے اسلامی دنیا کے علمی مرکز کو تباہ کر دیا، جس سے مسلم ذہنیت پر گہرا اثر پڑا۔

اگرچہ اس کے بعد بھی مصر، اسپین، اور عثمانی سلطنت میں کچھ عرصہ تک علمی سرگرمیاں جاری رہیں، مگر مجموعی طور پر اسلامی فکر اپنی **خلاقی روح** کھو چکی تھی۔

---

3. عالمِ اسلام کے ذہنی و علمی انحطاط کی ابتدائی وجوہات

(الف) سیاسی انتشار اور خلافتِ اسلامی کا زوال

اسلامی دنیا میں سب سے پہلے **سیاسی وحدت** کا خاتمہ ہوا۔

- خلافتِ عباسیہ کے کمزور ہونے کے بعد **علاقائی حکومتیں** قائم ہوئیں۔
- ہر سلطنت نے اپنی بقا کے لیے دوسرے سے جنگیں کیں۔
- جنگ و جدل نے علمی مراکز کو تباہ کیا۔
- علماء، مصنفین، اور سائنسدانوں کو **حکومتی سرپرستی** سے محروم ہونا پڑا۔

اس سیاسی انتشار نے وہ استحکام ختم کر دیا جو علم کی ترقی کے لیے ضروری تھا۔

(ب) اجتہاد کے دروازے کا بند ہونا

اسلامی فکر کی سب سے بڑی قوت **اجتہاد** تھی — یعنی نئے مسائل میں عقل و علم کی بنیاد پر شرعی حل نکالنا۔

لیکن پانچویں صدی ہجری کے بعد **تقلید** کا رجحان بڑھا اور **اجتہاد کے دروازے بند** کر دیے گئے۔

- علماء نے ماضی کے مجتہدین کی آراء کو حرفِ آخر سمجھ لیا۔
- نئے مسائل کے حل کے لیے علمی جرات ختم ہو گئی۔
- دینی علوم جامد ہو گئے اور سائنسی و فکری تحقیق کا دائرہ محدود ہو گیا۔

یہی وہ موڑ تھا جہاں سے مسلم ذہن **تحقیق سے تقلید** کی طرف مائل ہوا۔

(ج) مذہبی و فرقہ وارانہ اختلافات

عباسی دور کے وسط سے مسلمانوں میں **فقہی اور کلامی مناظرے** بڑھنے لگے۔

- معتزلہ، اشاعرہ، خوارج، شیعہ، اور اہل سنت کے درمیان شدید مناقشے ہوئے۔
- ان مناظروں نے علمی توانائی کو برباد کر دیا۔
- تحقیق و ایجاد کی جگہ **فرقہ وارانہ مباحث** نے لے لی۔

جہاں پہلے مسلمان یونانی فلسفہ، ریاضی، یا طب پر گفتگو کرتے تھے، اب وہ ایک دوسرے کو **کافر یا بدعتی** قرار دینے لگے۔

(د) تصوف کا غیر متوازن رجحان

ابتدائی صوفیہ زہد و تقویٰ کے حامل تھے، لیکن وقت کے ساتھ تصوف میں **غلو** آ گیا۔

- دنیا سے کنارہ کشی کو عبادت سمجھا جانے لگا۔

- "فقر" کو علم و تحقیق پر ترجیح دی گئی۔

- خانقاہی نظام نے علمی سرگرمیوں کی جگہ لے لی۔

- معاشرتی اور فکری مسائل سے کنارہ کشی کو روحانیت کا معیار سمجھا گیا۔

یوں ذہنی و فکری سرگرمیاں زوال پذیر ہوئیں۔

(ہ) بیرونی حملے اور علمی مراکز کی تباہی

اسلامی تاریخ میں **دو بڑے حملے** علم و تہذیب کے زوال کا سبب بنے:

1. **صلیبی جنگیں** ***(1096–1291ء)*** — جنہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے بڑے شہروں کو تباہ کیا۔

2. **تاتاری و منگول حملے** ***(1219–1258ء)*** — جن میں بغداد، سمرقند، اور نیشاپور جیسے علمی مراکز خاکستر ہو گئے۔

ہزاروں علماء قتل ہوئے، لاکھوں کتابیں دریائے دجلہ میں بہا دی گئیں، اور علمی تسلسل ٹوٹ گیا۔

(و) مغربی قوموں کا علمی احیاء (Renaissance)

جب مسلمان جمود کا شکار تھے، تب یورپ نے مسلمانوں کی علمی میراث کو **ترجمے کے ذریعے** حاصل کر کے اپنی **نشاۃِ ثانیہ** ***(Renaissance)*** کی بنیاد رکھی۔

- مسلمان سائنسدانوں کی کتابیں لاطینی میں ترجمہ ہوئیں۔

- مغرب نے ان علوم پر مزید تحقیق کی۔
- مسلمان اپنی ایجادوں سے ناواقف رہے اور مغرب نے ان پر برتری حاصل کر لی۔

یوں علمی قیادت مسلمانوں سے مغربی دنیا کو منتقل ہو گئی۔

(ز) تعلیم کا زوال اور مدرسہ نظام کی جمودیت

مدارس جو کبھی تحقیق اور اجتہاد کے مراکز تھے، وہ بعد میں صرف **فقہی اور زبانی علوم** تک محدود ہو گئے۔

- منطق و فلسفہ کو ترک کر دیا گیا۔
- سائنسی اور ریاضیاتی علوم کا نصاب سے اخراج ہوا۔

- طلبہ کو رٹنے اور مناظرے کا عادی بنایا گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان صرف **نقل کے عادی** بن گئے، **تخلیق کے نہیں۔**

(ح) اخلاقی زوال اور دنیا پرستی

اسلامی معاشرے میں **اخلاقی کمزوری** پیدا ہو گئی۔

- حکمران عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے۔

- عوام میں بدعنوانی، رشوت، اور ظلم بڑھ گیا۔

- دین کو صرف ظاہری رسموں تک محدود کر دیا گیا۔

اس اخلاقی انحطاط نے علمی ترقی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔

(ط) عورتوں کی تعلیم سے محرومی

اسلام نے عورت کو تعلیم کا حق دیا تھا، مگر بعد کے ادوار میں عورت کو **گھروں تک محدود** کر دیا گیا۔

اس سے معاشرے کی **نصف صلاحیت** ضائع ہو گئی۔

علمی تحریکات یک طرفہ ہو گئیں اور فکری وسعت ختم ہو گئی۔

---

4. انحطاط کے اثرات

(الف) فکری جمود

نئے مسائل پر غور و فکر کا دروازہ بند ہو گیا۔ مسلمان قدیم علوم کو دہرانے لگے۔

(ب) سائنسی اور صنعتی پسماندگی

جب یورپ صنعتی انقلاب سے گزر رہا تھا، مسلمان زراعتی معیشت میں الجھے رہے۔

(ج) سیاسی محکومی

مغلیہ، عثمانیہ، اور صفوی سلطنتوں کے زوال کے بعد مسلمان **استعماری طاقتوں** کے غلام بن گئے۔

(د) مذہبی شدت پسندی

تنگ نظری اور فرقہ وارانہ سوچ نے فکری ترقی کو مکمل طور پر روک دیا۔

---

5. علمی زوال کے بعد اصلاحی تحریکیں

جب مسلمانوں کو اپنے زوال کا احساس ہوا تو مختلف **علمی و فکری تحریکیں** اٹھیں:

- **شاہ ولی اللہ دہلویؒ** *(18ویں صدی):* انہوں نے اجتہاد، قرآن فہمی، اور سماجی اصلاح پر زور دیا۔

- **سید جمال الدین افغانی:** مسلمانوں کو جدید علوم اور سیاسی اتحاد کی طرف راغب کیا۔

- **سر سید احمد خان:** جدید تعلیم کو مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔

- **اقبال:** فکری خودی اور اجتہاد کی احیاء پر زور دیا۔

یہ تمام تحریکیں اسی احساس کا نتیجہ تھیں کہ مسلمانوں نے علم و فکر کے میدان میں اپنی اصل قوت کھو دی تھی۔

---

6. نتیجہ

عالمِ اسلام کا علمی و ذہنی انحطاط کسی ایک واقعے یا زمانے کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ **طویل داخلی کمزوریوں اور بیرونی حملوں** کا مجموعہ تھا۔

اس کا آغاز **پانچویں صدی ہجری** سے ہوا جب:

- اجتہاد کی جگہ تقلید نے لے لی،

- مذہبی تنگ نظری نے فکری وسعت کو ختم کیا،

- سیاست نے علم کی سرپرستی چھوڑ دی،

- اور مسلمانوں نے قرآن کے اولین حکم "اقرأ" کو فراموش کر دیا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب امتِ مسلمہ علم و تحقیق کے میدان سے پیچھے ہٹ گئی اور مغرب نے قیادت سنبھال لی۔

اسلامی معاشرے کے احیاء کے لیے آج بھی ضروری ہے کہ ہم دوبارہ **اجتہاد، تحقیق، عدل، اور علم دوستی** کی وہی روح زندہ کریں جو کبھی ہمارے آباؤ نے قائم کی تھی۔ یہی اصلاح عالمِ اسلام کے مستقبل کی ضمانت ہے۔

سوال نمبر *4:* قرآنِ مجید کی رو سے امتِ اسلامیہ کے منصبِ قیادت و رہنمائی کے کیا تقاضے ہیں؟

تمہید

قرآنِ مجید نے امتِ مسلمہ کو ایک خاص مقام اور ذمہ داری عطا کی ہے۔ اسلام کے پیروکاروں کو صرف عبادت گزار یا مذہبی گروہ نہیں بلکہ ***"امتِ وسط"*** قرار دیا گیا ہے — یعنی ایک ایسی امت جو عدل، انصاف، توازن اور ہدایت کا

مرکز ہو۔ قرآن کے مطابق امتِ اسلامیہ کا بنیادی منصب **اللہ کے دین کی شہادت اور انسانیت کی رہنمائی** ہے۔ یہ قیادت محض سیاسی نہیں بلکہ **فکری، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی** ہر پہلو میں انسانیت کے لیے مثال بننے کا تقاضا کرتی ہے۔

قرآن میں جہاں مسلمان امت کو فضیلت دی گئی ہے، وہیں اس پر ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ **حق کو غالب** کرے، **عدل کو قائم** کرے، اور **انسانوں کو ظلم و جہالت سے نجات** دلائے۔

---

1. امتِ اسلامیہ کے منصبِ قیادت کی بنیاد قرآن سے

قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر امتِ مسلمہ کے کردار اور ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا”

(سورۃ البقرہ: 143)

ترجمہ: *”اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔”*

یہ آیت امتِ مسلمہ کے **قیادتی کردار** کا اعلان ہے۔ امت کو اللہ نے *”اُمّتِ وسط”* یعنی **اعتدال، عدل اور توازن** رکھنے والی جماعت قرار دیا، جو دنیا میں **گواہی دینے والی امت** ہے — یعنی انسانیت کے سامنے اللہ کے دین کی عملی تصویر پیش کرنے والی۔

---

2. امتِ اسلامیہ کی قیادت کے بنیادی تقاضے

قرآنِ مجید کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کی قیادت محض ایک اعزاز نہیں بلکہ ایک **ذمہ داری** ہے۔ اس ذمہ داری کے کئی بنیادی تقاضے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) ایمان، تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی

سب سے پہلا تقاضا **ایمانِ کامل** اور **تقویٰ** ہے۔ قیادت کا حق اسی کو حاصل ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔

ارشاد ہے:

> **"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"** (الحجرات: 13)
>
> ترجمہ: "اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

یعنی قیادت کی بنیاد **نسل، قبیلہ یا طاقت** نہیں بلکہ **تقویٰ اور اخلاقی برتری** ہے۔ اگر امتِ مسلمہ خود تقویٰ سے محروم ہو جائے تو وہ دنیا کی قیادت نہیں کر سکتی۔

(ب) عدل و انصاف کا قیام

قرآن کے مطابق قیادت کا دوسرا بنیادی تقاضا **عدل و انصاف** ہے۔

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ" *(النحل: 90)*

اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اسلامی قیادت عدل کے بغیر ممکن نہیں۔ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو، فیصلہ انصاف پر مبنی ہونا چاہیے:

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" *(المائدہ: 8)*

ترجمہ: "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔"

(ج) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

امتِ مسلمہ کی قیادت کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ **نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔**

قرآن کہتا ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" *(آل عمران: 110)*

یہ آیت امتِ مسلمہ کے قیادتی نصب العین کو بیان کرتی ہے۔ قیادت کا مطلب صرف اقتدار نہیں بلکہ **اصلاحِ معاشرہ** ہے۔

امت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ:

- اخلاقی اقدار کی حفاظت کرے،
- ظلم کے خلاف آواز بلند کرے،
- انسانوں کو عدل و ایمان کی راہ دکھائے۔

(د) علم و حکمت کی برتری

قرآن کے مطابق علم ہی قیادت کی اصل بنیاد ہے۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" *(الزمر: 9)*

ترجمہ: "کیا وہ لوگ برابر ہو سکتے ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے؟"

اسلامی قیادت محض سیاسی تجربے سے نہیں بلکہ **علم**، **بصیرت**، **اور حکمت** سے مضبوط ہوتی ہے۔

قرآن نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" *(النحل: 125)*

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیادت صرف طاقت سے نہیں بلکہ علم و تدبر سے کامیاب ہوتی ہے۔

(ہ) اجتماعی مشاورت اور انصاف پر مبنی فیصلہ سازی

قرآن نے قیادت کو **شوریٰ** کے اصول سے جوڑا ہے۔

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" *(الشوریٰ: 38)*

ترجمہ: "اور ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔"

اسلامی قیادت آمرانہ نہیں بلکہ **مشاورتی** ہوتی ہے۔

امت کا رہنما اپنی رائے مسلط نہیں کرتا بلکہ علم و عدل کی بنیاد پر اجتماعی فیصلے کرتا ہے۔

(و) دعوت و تبلیغ کے ذریعے انسانیت کی اصلاح

قرآن نے امتِ مسلمہ کو **دعوت الی اللہ** کا فریضہ دیا ہے۔

"وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا" *(فصلت: 33)*

ترجمہ: "اور اس شخص سے زیادہ اچھا کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔"

یہ دعوتی کردار امت کے قیادتی منصب کا حصہ ہے، کیونکہ رہنمائی صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ **پوری انسانیت** کے لیے ہے۔

3. امتِ مسلمہ کے قیادتی منصب کا مقصد

قرآن کی رو سے امتِ اسلامیہ کا قیادتی منصب صرف اقتدار حاصل کرنا نہیں بلکہ:

1. انسانوں کو اللہ کے بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانا،

2. عدل، امن اور مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنا،

3. دنیا میں خیر اور فلاح کے پیغام کو عام کرنا،

4. نظامِ زندگی کو وحی کی روشنی میں منظم کرنا،

5. تمام انسانوں کے لیے مثال بننا ہے۔

4. قیادت کے تقاضوں کی عملی مثال: نبی کریم ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ان اصولوں پر عملی مثال قائم کی۔

- آپ ﷺ کی قیادت عدل، رحمت، علم، اور مشاورت پر مبنی تھی۔

- مدینہ منورہ میں قائم اسلامی ریاست میں یہ تمام اصول موجود تھے۔

- آپ ﷺ نے دشمنوں سے بھی انصاف کیا اور غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی۔

- آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

یہ حدیث امت کے قیادتی فریضے کا خلاصہ ہے — یعنی **ذمہ داری**، **جواب دہی**، **اور عدل**۔

---

5. قیادت کے زوال کے اسباب

جب امتِ مسلمہ نے قرآن کے ان اصولوں سے انحراف کیا تو قیادت ہاتھ سے نکل گئی۔

- عدل کی جگہ ظلم نے لے لی۔
- علم کی جگہ جہالت آگئی۔
- مشاورت کی جگہ آمرانہ نظام نے جنم لیا۔

- دعوت و اصلاح کی جگہ خودغرضی اور فرقہ واریت نے جڑ پکڑ لی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ امتِ مسلمہ دنیا کی قیادت سے محروم ہو گئی۔

---

6. موجودہ دور میں قیادتِ اسلامی کے تقاضے

آج کے عالمی حالات میں امتِ مسلمہ کو دوبارہ اپنا قیادتی کردار ادا کرنے کے لیے درج ذیل امور پر عمل کرنا ہوگا:

1. **قرآن و سنت کی تعلیمات کو اجتماعی زندگی میں نافذ کرنا۔**

2. **علمی، سائنسی، اور فکری میدانوں میں دوبارہ برتری حاصل کرنا۔**

3. **اخوت، عدل، اور مساوات کے اصولوں کو زندہ کرنا۔**

4. امت کے اندرونی اختلافات ختم کر کے اتحاد پیدا کرنا۔

5. دعوت و اصلاح کے عالمی کردار کو زندہ کرنا۔

یہی وہ راستہ ہے جو قرآن نے امتِ مسلمہ کے لیے متعین کیا ہے۔

---

7. خلاصہ

قرآنِ مجید کے مطابق امتِ اسلامیہ کا قیادتی منصب اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک **امانت** ہے۔ یہ امامت تقویٰ، علم، عدل، اور اصلاح پر مبنی ہے۔ امت اگر اس منصب کی اہل بننا چاہتی ہے تو اسے:

- ایمان و عملِ صالح اختیار کرنا ہوگا،

- عدل و مساوات قائم کرنی ہوگی،

- نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا ہوگا،

- علم و حکمت کو فروغ دینا ہوگا،

- اور پوری انسانیت کے لیے خیر کا ذریعہ بننا ہوگا۔

اگر امتِ مسلمہ ان اصولوں پر عمل کرے تو وہ ایک بار پھر قرآن کے وعدے کے مطابق **"خیر امت"** بن سکتی ہے اور دنیا کی حقیقی **رہنما و قائد** کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔

سوال نمبر 5: لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کے تحت ہندوستانی عوام کو کس نظریے کے تحت تعلیم دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا؟ اس پالیسی کے طویل مدتی اثرات پر تبصرہ کریں۔

تمہید

برطانوی راج کے ابتدائی دور میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان پر اپنی سیاسی گرفت مضبوط کر لی تو انہیں جلد ہی احساس ہوا کہ صرف فوجی طاقت یا اقتصادی غلبہ ان کے اقتدار کو دوام نہیں دے سکتا۔ ہندوستان کی کثیر آبادی کو مغلوب رکھنے کے لیے ایک ایسی تعلیمی پالیسی کی ضرورت تھی جو نہ

صرف ان کے نظریات کے مطابق ہو بلکہ مقامی لوگوں کی ذہنیت اور طرزِ فکر کو بھی بدل دے۔ اسی پس منظر میں **لارڈ میکالے (Lord Thomas Babington Macaulay)** نے *1835*ء میں ایک ایسی تعلیمی پالیسی تیار کی جس نے برصغیر کے تعلیمی، تہذیبی، اور فکری ڈھانچے کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔

یہ پالیسی بظاہر تعلیم کی فراہمی کے لیے تھی لیکن دراصل اس کے پیچھے **سیاسی، تہذیبی، اور نظریاتی مقاصد** پوشیدہ تھے۔ میکالے نے اپنے مشہور **"میکالے منٹ (Minute on Indian Education)"** میں وہ تمام نظریات پیش کیے جن کے تحت برطانوی حکومت نے ہندوستانی قوم کے فکری ڈھانچے کو مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

---

1. لارڈ میکالے کا نظریۂ تعلیم

لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کی بنیاد **"مغربی برتری"** *(Western Superiority)* اور **"ثقافتی سامراج"** *(Cultural Imperialism)* کے نظریے پر تھی۔

اس کا بنیادی مقصد یہ نہیں تھا کہ ہندوستانی عوام کو تعلیم دی جائے، بلکہ انہیں **ایسی تعلیم دی جائے جو ان کے ذہن و کردار کو برطانوی رنگ میں رنگ دے۔**

میکالے نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر کہا:

> "ہمیں ایک ایسی جماعت پیدا کرنی ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، خیالات، اخلاق اور عقل کے لحاظ سے انگریز ہو۔"

اس ایک جملے میں اس پالیسی کی پوری روح پوشیدہ ہے۔ اس کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

---

2. میکالے کی تعلیمی پالیسی کے بنیادی نظریاتی اصول

(الف) مغربی علوم کی برتری کا نظریہ

میکالے کا عقیدہ تھا کہ یورپ کا علم، فلسفہ، سائنس، اور ادب باقی تمام تہذیبوں سے برتر ہے۔

اس نے کہا:

> "ایک اچھی یورپی لائبریری کے چند شیلفز تمام ہندوستان اور عرب کے علمی ورثے سے زیادہ قابلِ قدر ہیں۔"

یہ بیان واضح کرتا ہے کہ میکالے نے ہندوستانی تہذیب، عربی و فارسی علوم، اور مقامی علمی نظام کو کمتر سمجھا اور صرف مغربی علم کو اعلیٰ اور مفید قرار دیا۔

(ب) انگریزی زبان کی ترویج کا منصوبہ

میکالے کے مطابق ہندوستان میں **انگریزی زبان** کو تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے تاکہ:

1. ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جو انگریزی جانتا ہو،

2. جو حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ بن سکے،

3. اور جو برطانوی افکار کو عام لوگوں تک پہنچا سکے۔

لہٰذا فارسی اور عربی زبانوں کو تعلیمی نصاب سے خارج کر کے انگریزی زبان کو **علم و ترقی کی واحد کنجی** قرار دیا گیا۔

(ج) مذہبی و اخلاقی تربیت کی بجائے سیکولر تعلیم

اسلامی یا ہندو مذہبی تعلیم کو "پسماندگی" سمجھا گیا۔

میکالے کی پالیسی کے تحت تعلیم کا مقصد مذہبی یا اخلاقی تربیت نہیں بلکہ صرف "ملازمت کے قابل" بنانا تھا۔

اس طرح تعلیم کو **روحانی اور اخلاقی پہلوؤں سے خالی** کر کے **محض نوکری کے حصول کا ذریعہ** بنا دیا گیا۔

(د) افسرشاہی کے لیے درمیانی طبقہ تیار کرنا

برطانوی حکومت کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ پورے ہندوستان میں انگریز افسران تعینات کرے، اس لیے میکالے نے تجویز دی کہ ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جو:

- برطانوی حکومت کے وفادار ہو،
- مقامی عوام کو قابو میں رکھنے میں مدد کرے،
- مگر خود اقتدار کا حصہ نہ بن سکے۔

یہ طبقہ دراصل **"کلرک مائنڈڈ"** طبقہ تھا، جسے بعد میں "بابو کلچر" کہا گیا۔

(ہ) اخلاقی اور فکری غلامی کی ترویج

میکالے کا ہدف یہ تھا کہ ہندوستانیوں کی **ذہنی آزادی ختم** کر دی جائے۔

ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ:

- لوگ اپنی تہذیب سے شرمندہ ہوں،

- مغربی طرزِ فکر کو قابلِ تقلید سمجھیں،

- اور اپنے مذہبی و ثقافتی نظام سے دور ہو جائیں۔

---

3. میکالے پالیسی کا نفاذ

*1835*ء میں لارڈ ولیم بنٹک *(*گورنر جنرل*)* نے میکالے کی سفارشات منظور کر کے **"انگریزی تعلیم کا قانون"** نافذ کیا۔

اس کے نتیجے میں:

1. مدارسِ عربیہ اور فارسی تعلیم گاہوں کی سرکاری امداد بند کر دی گئی۔

2. انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

3. نوکریوں کے لیے انگریزی تعلیم لازمی قرار پائی۔

4. نئے اسکول اور کالج انگریزی نصاب پر قائم کیے گئے۔

5. مشنری ادارے بھی تعلیم کے نام پر عیسائی افکار عام کرنے لگے۔

یوں پورے ہندوستان میں ایک **نیا تعلیمی ڈھانچہ** وجود میں آیا جو مکمل طور پر مغربی افکار پر مبنی تھا۔

---

4. میکالے پالیسی کے نمایاں مقاصد

میکالے کی پالیسی کے پسِ پردہ اصل مقاصد درج ذیل تھے:

1. برطانوی اقتدار کو مستحکم کرنا:

تعلیم کے ذریعے ذہنی غلامی پیدا کر کے ہندوستانیوں کو سیاسی طور

پر کمزور رکھنا۔

2. **ثقافتی بالادستی قائم رکھنا:**

ہندوستانی تہذیب کو کمتر ثابت کر کے مغربی اقدار کو "ترقی" کا معیار بنانا۔

3. **نوکری پیشہ طبقہ تیار کرنا:**

ایسا طبقہ جو برطانوی حکومت کے لیے دفتری کام انجام دے، لیکن خود اقتدار کا دعویٰ نہ کرے۔

4. **مذہبی و اخلاقی انتشار پیدا کرنا:**

مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی و تعلیمی بنیادوں پر فاصلہ پیدا کرنا۔

5. میکالے پالیسی کے طویل مدتی اثرات

(الف) ہندوستانی معاشرے کی فکری غلامی

میکالے کے نظام نے سب سے زیادہ نقصان **ذہنی آزادی** کو پہنچایا۔

لوگ اپنی تہذیب، زبان، اور روایات سے شرمندہ ہونے لگے۔

انگریزی بولنا اور مغربی لباس پہننا ترقی کی علامت بن گیا۔

اس طرح **غلامی جسمانی نہیں بلکہ ذہنی سطح پر سرایت کر گئی۔**

(ب) قومی و تہذیبی شناخت کا بحران

اسلامی، ہندو، اور دیگر مقامی علوم و فنون کو *"غیر سائنسی"* کہہ کر رد کر دیا گیا۔

اس سے ہندوستانی معاشرہ **اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹ** گیا۔

مسلمان خصوصاً عربی و فارسی تعلیم کے خاتمے کے باعث **اپنی علمی میراث** سے محروم ہو گئے۔

(ج) انگریزی زبان کی بالادستی

انگریزی کو ترقی اور ملازمت کا واحد ذریعہ بنا دیا گیا۔

اس سے معاشرے میں **لسانی امتیاز** پیدا ہوا —

ایک طرف "انگریزی پڑھا طبقہ" حکمران طبقہ بن گیا،

دوسری طرف "مقامی زبان بولنے والے" طبقے کو پسماندہ سمجھا جانے لگا۔

یہ امتیاز آج بھی جنوبی ایشیا میں موجود ہے۔

(د) طبقاتی تقسیم

میکالے پالیسی نے ہندوستانی معاشرے کو **دو طبقات** میں تقسیم کر دیا:

1. انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ — جو اقتدار و مراعات کا حصہ بنا۔

2. مقامی تعلیم یافتہ طبقہ — جو معاشرتی و معاشی لحاظ سے پیچھے رہ گیا۔

یہی طبقاتی خلیج بعد میں سیاسی و سماجی انتشار کا سبب بنی۔

(ہ) مذہبی اداروں کا زوال

مدارس، مکاتب، اور دینی تعلیم گاہیں **سرکاری امداد سے محروم** کر دی گئیں۔

ان کی جگہ مغربی اسکولوں نے لے لی۔

نتیجتاً مذہبی تعلیم کا معیار کم ہوا اور **علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں فاصلے** پیدا ہو گئے۔

(و) نوآبادیاتی ذہنیت کا فروغ

میکالے نظام کے تحت پیدا ہونے والا طبقہ خود کو "برطانوی تہذیب" کا نمائندہ سمجھنے لگا۔

یہ لوگ اپنی قوم کو حقیر اور مغربی تہذیب کو برتر سمجھتے تھے۔

ان میں "غلامانہ وفاداری" کا رجحان پیدا ہوا، جو برطانوی اقتدار کے لیے مددگار ثابت ہوا۔

(ز) دینی و اخلاقی اقدار کا زوال

مغربی تعلیم نے مذہب کو نجی معاملہ قرار دے کر عوام کی اخلاقی بنیادیں کمزور کر دیں۔

نتیجتاً مادیت پسندی، خودغرضی، اور دنیا پرستی میں اضافہ ہوا۔

تعلیم کا مقصد **انسانی خدمت یا اخلاقی تربیت** کے بجائے **مادی مفاد** بن گیا۔

(ح) جدید تعلیم اور سیاسی بیداری

دلچسپ بات یہ ہے کہ اگرچہ میکالے کی پالیسی کا مقصد غلامی تھا، لیکن طویل عرصے بعد اسی نظام سے پڑھنے والے کچھ افراد نے **سیاسی شعور حاصل کیا۔**

سر سید احمد خان، مولانا محمد علی جوہر، گاندھی، نہرو، علامہ اقبال جیسے رہنما **اسی جدید نظام کے پیداوار** تھے جنہوں نے غلامی کے خلاف جدوجہد کی۔

یوں یہ پالیسی اگرچہ ابتدا میں سامراجی تھی، مگر وقت کے ساتھ ساتھ **قوموں میں بیداری کا سبب** بھی بن گئی۔

---

6. مسلمانوں پر اثرات

مسلمان اس پالیسی سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ:

- ان کی تعلیمی بنیاد **فارسی و عربی نظام** پر تھی۔

- انگریزی کو اختیار نہ کرنے کے باعث وہ سرکاری ملازمتوں سے محروم ہو گئے۔

- نتیجتاً وہ **معاشی، سیاسی، اور سماجی لحاظ سے** پیچھے رہ گئے۔

تاہم بعد میں سر سید احمد خان نے اس تعلیمی زوال کا احساس کیا اور **علی گڑھ تحریک** کے ذریعے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کیا۔

---

7. موجودہ دور میں میکالے پالیسی کے اثرات

آج بھی جنوبی ایشیا خصوصاً پاکستان، بھارت، اور بنگلادیش میں میکالے نظام کے اثرات نمایاں ہیں:

1. تعلیم کا مقصد اخلاقی تربیت کے بجائے ملازمت حاصل کرنا ہے۔

2. انگریزی زبان اب بھی "اشرافیہ" کی علامت ہے۔

3. دینی اور دنیاوی تعلیم میں گہرا فرق ہے۔

4. مغربی ثقافت کی نقالی کو "جدت" سمجھا جاتا ہے۔

5. قومی نصاب اپنی تہذیبی بنیادوں سے منقطع ہے۔

---

8. خلاصہ

لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی محض ایک تعلیمی منصوبہ نہیں بلکہ **ایک تہذیبی انقلاب** تھا جس نے برصغیر کے فکری، دینی، اور ثقافتی ڈھانچے کو بدل دیا۔

اس پالیسی کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے جو ان کے دلوں میں مغربی تہذیب کی برتری اور اپنی تہذیب کی حقارت پیدا کرے۔

اس کے طویل مدتی اثرات میں:

- ذہنی غلامی،

- طبقاتی تقسیم،

- تہذیبی اجنبیت،

- اخلاقی زوال،

- اور قومی شناخت کا بحران شامل ہیں۔

تاہم اسی نظام سے پیدا ہونے والے کچھ بیدار مغز افراد نے آزادی کی تحریکوں کو بھی جنم دیا۔
یوں میکالے پالیسی نے بیک وقت غلامی بھی پیدا کی اور بیداری کا بیج بھی بویا۔

نتیجہ:

لارڈ میکالے کا نظریۂ تعلیم دراصل **"**مغربی فکری بالادستی**"** کا مظہر تھا۔ اس نے ہندوستانیوں کو **علم کے نام پر مغرب کا ذہنی غلام** بنانے کی کوشش کی، اور اس کوشش کے اثرات آج بھی ہماری نصابی پالیسی، زبان، سوچ اور سماجی ڈھانچے میں جابجا نظر آتے ہیں۔